مغرب اور اسلام

اسلام اور مغرب کے درمیان علمی و عملی طور پر ایک مکالمہ بلکہ تعامل کا آغاز تحریک اسلامی کے اولین دور میں اس وقت ہو گیا تھا، جب حضور نبی کریم ﷺ نے مشرق و مغرب کے فرماں رواؤں کو کھلے دل اور کشادہ بازوؤں کے ساتھ اسلام کے عالمگیر پیغام پر غور کرنے اور اپنی خود ساختہ اور خود عائد کردہ مذہبی تنگ نظری، غلو اور آباء پرستی سے نکلنے کی دعوت دی تھی۔ اسلام کی پکار ایک نئی فکر، نئے طرز عمل اور نئی دنیا تعمیر کرنے کی دعوت تھی۔ اس دعوت میں سلمانؓ ایک عجمی کی شکل میں، صہیبؓ ایک مغربی نمائندہ کی صورت میں، بلالؓ ایک افریقی النسل باشندہ کے طور پر اور ابوبکرؓ و ابوذرؓ، ان تمام طبقات سے وابستہ افراد کے طور پر شامل ہوئے، جو کبھی نسب اور مال و دولت کو، کبھی منصب کو خدا کا مقام دیتے تھے۔ لیکن تحریک اسلامی سے وابستگی نے ان کی وہ ماہیت قلبی کی کہ عجمی عجمی نہ رہا۔ عربی کا فخر و کبر اور امتیاز اور صاحب مال کا تفاخر و تکاثر، سب کچھ ایک نئے قالب، نئی شکل اور نئے زاویہ نظر میں تبدیل ہو گیا۔ اب معیار صرف ایک رہا، وہ یہ کہ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم (اللہ کے نزدیک صرف تقویٰ والا ہی باعث اکرام ہے۔ الحجرات ۴۹ : ۱۳)

اسلام ایک انقلابی تحریک، ایک دعوت فکر و عمل اور ایک مکمل نظام کی حیثیت سے انسانیت کا نجات دہندہ بن کر ابھرا اور مشرق کا سرا مغرب سے یہ کہہ کر ملا دیا کہ مشرق و مغرب صرف اور صرف اللہ ہی کے لئے ہیں۔ وہی مشرق و مغرب کا خالق و مالک ہے۔ اس لیے انسان کا مرجع اور مرکز عبودیت نہ مشرق ہے نہ مغرب۔ نہ کوئی مغرب کا بندہ ہے نہ کوئی مشرق کی بندی ہے، بلکہ مغرب و مشرق اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم اور ربوبیت کے محتاج و تابع فرمان ہیں۔ مشرق ہو یا مغرب اپنے رب سے بغاوت و سرکشی اسے کبھی کامیابی سے ہمکنار نہیں کر سکتی۔ فوز و فلاح، سربلندی و نجات، سربراہی و قیادت، نصرت و فتح، صرف اسی کو حاصل ہو گی، جو شعوری طور پر اور عملی طور پر مقصد تخلیق و مقصد حیات کو پا گیا اور حصول حقوق کے لیے مجاہدین کی صف میں شامل ہو گیا۔

اگر اسلام اتنا جامع، شامل، کامل اور ہمہ گیر نظام ہے، تو پھر اسلام اور مغرب میں دوئی، تضاد، جدال و کشمکش کیوں؟ اگر اسلام صلح کل، عدل اجتماعی، احترام انسانیت، احیاء حیات، تحفظ عقل، نسل اور دین و ملکیت کا علمبردار ہے، تو پھر مسلمانوں میں ملوکیت، اقتدار کی رسہ کشی، مادیت، استحصال اور فتنہ و فساد کا وجود کیوں؟ یہ اور ایسے بہت سے سوال اپنی اہمیت اور معنویت کے لحاظ سے غیر معمولی طور پر قابل توجہ

ہیں۔ ان کی وضاحت بلا کسی معذرت کے علمی و عملی سطح پر کی جا سکتی ہے، کی جاتی رہی ہے اور انشاء اللہ کی جاتی رہے گی۔ موجودہ فکری مجموعے اور مجلّہ کا مقصد یہ نہیں ہے کہ اسلام کی طرف سے مغرب کو مخاطب کرتے ہوئے دلائل کی بنیاد پر جذبات و احساسات سے بلند ہو کر ایک مکالمہ کا آغاز کیا جائے۔ فی الوقت ہمارے پیش نظر معروضی طور پر صرف یہ دیکھنا ہے کہ مغرب، اسلام اور اسلام کے ماننے والوں کو کس رنگ میں دیکھتا ہے۔ اس کی عینک رنگین ہے یا نہیں۔ اس کی فکر اور علمی تجزیہ کس حد تک مبنی بر حقائق اور کس حد تک اس کے اپنے نقطۂ نظر کے ثبوت میں حقائق کو تخلیق کرنے اور ترتیب دینے کے عمل پر کارفرما ہے۔

مغرب اور اسلام کے حوالے سے عموماً ہمارا مشاہدہ ہے کہ اہل قلم کا ایک طبقہ ایسا ہے، جو مغربی تعلیم یا مغرب زدگی کے نتیجہ میں غیر شعوری طور پر اسلام کو مغرب کی نگاہ سے دیکھنا شروع کر دیتا ہے۔ اسے اسلام کی بہت سی تعلیمات میں نقائص اور حالات حاضرہ سے عدم مطابقت نظر آنی شروع ہو جاتی ہے۔ ایسے اہل قلم اکثر بڑے نپے تلے انداز میں اپنے خدشات کا اظہار کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ معروضیت پر عمل پیرا ہیں۔ ایک دوسرا طبقہ اس کے بالکل برخلاف مغرب کی ہر نام نہاد اچھائی کو کسی نہ کسی طرح اسلام میں تلاش کر نکالتا ہے اور ایک معذرت پسندانہ رویہ اختیار کرتا ہے۔ جس میں غالباً ایک بنیادی محرک اسلام کو مغرب کے لیے قابل قبول بنانا ہوتا ہے۔ ایک تیسرا طبقۂ اہل قلم مغرب کو اپنا ازلی و ابدی دشمن تصور کرتے ہوئے مغرب کی ہر چیز کو تحقیر آمیز نگاہ کے ساتھ دیکھ کر مغربی فکر و عمل کو رد کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے۔

معروضیت ان تینوں طرز ہائے عمل سے مختلف ایک ایسا علمی طرز عمل ہے، جس میں حقائق جیسے ہیں، خود بول کر اپنا اظہار کریں اور ایک قاری اور محقق ان حقائق کے مطالعہ کے بعد آزادانہ طور پر انہیں قبول یا رد کر سکے اور ان کی تعبیر مثبت یا منفی طور پر کر سکے۔ اسی بنا پر معروضیت کا دعویٰ کرنا اور معروضیت اختیار کرنا دو بالکل مختلف اعمال ہیں۔

ہم سمجھتے ہیں کہ معروضی طرز تحقیق کا آغاز حقائق کو، جیسے کہ وہ ہیں، بغیر کسی قبل از وقت تعصب و تفریق کے مشاہدہ کرنے سے ہوتا ہے۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ حقائق کا تجزیہ محرکات و اسباب کا تعین، نتائج و عواقب کا اندازہ، تحقیق کے عمل کے لازمی عناصر ہیں۔ لیکن یہ علمی مدارج اسی وقت صحیح سمت میں لے جا سکتے ہیں، جب نقطۂ آغاز پر حقائق کو بلا کسی تعصب کے مشاہدہ میں لے آیا جائے۔

جس طرح اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں کسی تحریر میں پہلے سے طے شدہ تصورات، تعصبات اور تفریق اور ذہنی تردد عدم معروضیت کی نشاندہی کرتا ہے، بالکل اسی طرح بہت سے مسلمان اہل قلم کا مغرب کی ہر بات کو شک و شبہ اور سازشی نفسیات کی روشنی میں دیکھنا کسی معروضی ذہن کا پتہ نہیں دیتا۔ ان تمام امکانات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام انسانی نفسیات، شعور و آگہی اور ذہن کی محدودیت اور وسعت فکر کے ساتھ ساتھ شہادت حق کی تعلیم اور کتمان حق کی ممانعت کرتا ہے۔ اس بنا پر

ایک ایسا فرد جو اسلام کے آفاقی اصول شہادت، تزکیۂ شہود اور احتساب نفس کے مطالبات سے آگاہ ہو، اپنوں اور اغیار دونوں کے ساتھ انصاف اور معروضیت سے معاملہ کر سکتا ہے۔ ہماری نگاہ میں مغرب سے بلا دلیل و حجت و برہان معاندانہ رویہ رکھنا ایسا ہی غیر مطلوب عمل ہے، جیسا مغرب کا اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں محض توہمات اور قیاسات کی بنا پر ایک منفی رائے قائم کرنا۔

کفر و ظلم، طاغوت، فتنہ و فساد کا رد بربنائے دلیل و برہان کرنا صرف اسلام کا مدعا و مقصود ہے۔ یاایہاالناس وقد جاء کم برھان من ربکم وانزلنا الیکم نوراً مبینا (النساء، ۴:۱۷۴)(لوگو تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس روشن دلیل آ گئی ہے اور ہم نے تمہاری طرف ایسی روشنی بھیج دی ہے، جو تمہیں صاف صاف راستہ دکھانے والی ہے) بلکہ وہ چاہتا ہے کہ دوسرے بھی معروضی و عقلی رویہ اختیار کریں۔ قل ھاتو برھانکم ان کنتم صدقین (البقرہ، ۲:۱۱۱) "ان سے کہو اپنی دلیل پیش کرو، اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو" (مزید دیکھیے سورہ الانبیاء)

یہ وہ تناظر ہے جس میں انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز نے مغرب اور اسلام کے نام سے اس نئے مجلہ کا آغاز کیا ہے۔ اس مجلہ کے ذریعے بلا کسی تعصب اور کتر بیونت کے معروضی طور پر مغرب کی بات مغرب کی زبان سے سنیں۔ ہم ایسا کرتے وقت اپنے آپ کو نہ مشرق کا اجارہ دار سمجھتے ہیں نہ مشرق کے دفاع کا ذمہ دار۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ حق مشرق و مغرب کی قید سے بلند ہے۔ حق جس کا تعین قرآن و سنت نے کر دیا ہے، خواہ مغرب کی طرف ہو یا مشرق کی طرف، قرآن کا حکم ہے کہ اسے بلا تکلف و تردد اختیار کیا جائے۔ "اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔ کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ عدل سے پھر جاؤ۔ عدل کرو، یہ اللہ ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ اللہ سے ڈر کر کام کرتے رہو۔ جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے" (المائدہ ۵ : ۸) اسلام توحید و عدل سے عبارت ہے اور چاہتا ہے کہ مخالف کے ساتھ بھی ذرہ برابر ناانصافی نہ ہو۔ اسے اپنی بات، اپنی زبان میں پوری شدومد سے کہنے کا موقع دیا جائے اور پھر تجزیہ و تحلیل کے ذریعے، دلیل کی بنا پر اس کی بات کو قبول یا رد کیا جائے۔

گو مغرب نے بڑی حد تک اپنے اوپر اسلام کا ہوا مسلط کر لیا ہے اور اہل اسلام کو اپنی خیالی دنیا کے اس خانے میں رکھ دیا ہے جہاں پر بُعد، عدم تعلق، عداوت، تضاد، اور جدل کے جذبات غالب نظر آتے ہیں۔ اس کے برخلاف اسلام تحریک اصلاح ہونے کے سبب ایک ایسے فرد کو بھی، جو اسلام سے بریت کا اعلان کرتا ہو، دور کرنا نہیں چاہتا، بلکہ اس کی فکری، قلبی، نظری اصلاح کے ذریعہ، معلومات کی ترسیل و تبلیغ کے ذریعہ اس تک حق کو جیسا کہ وہ ہے، پہنچانا اپنا فرض سمجھتا ہے۔ ایک اصلاحی تحریک اور ایک معاندانی تحریک میں بنیادی فرق یہ ہے کہ ایک معلم یہ جاننے کے باوجود کہ ایک شخص یرقان میں مبتلا ہے اور اس کی بینائی کی سفیدی پر زردی اور صفراوی چھا چکی ہے، اس کی صحت کی اصلاح کی کوشش کرتا ہے۔ مرض کی جڑ اور بنیاد کو دور کرتا ہے اور دوبارہ بینائی اور نور کو صفراوی کیفیت پر غالب آنے کے قابل بناتا ہے۔ اسلام اور مغرب کو دو ابدی اور ازلی دشمن سمجھ لینا شاید اسلام اور مغرب دونوں کے ساتھ ناانصافی ہے۔